جناب مولانا ارشاد الحق صاحب قسط نمبر ١١

احسن الکلام

اختلاطِ ابو اسحاق پر ایک نظر:

بقدرِ ضرورت ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ ابو اسحاق مدلس ہیں اور ان کا عنعنہ صحتِ حدیث کے منافی ہے۔ اس روایت کے علاوہ بعض ایسی روایات بھی احسن الکلام میں مذکور ہیں جو ابو اسحاق کے واسطہ سے ہیں اور جنہیں مولانا صفدر صاحب نے خام خیالی کی بنا پر صحیح سمجھ لیا ہے۔ اس لئے ہم ان پر علیحدہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ جس سے ہماری مراد "دسویں حدیث" ہے۔ ویسے بھی اس روایت کی بحث میں معقولیت کم ہے۔ حضرت الاستاد مدظلہ العالی نے ان کے ایک ایک اعتراض کا مدلل و مسکت جواب دیا ہے۔ مولانا صفدر صاحب نے کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو جواب باور کرنے کے لئے اس کا نام ضرور لیا لیکن ایک منصف مزاج معمولی غور و فکر سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان تعقبات میں حقیقت کیا ہے اور ان دونوں بزرگوں میں کون حق بجانب ہیں۔ البتہ یہ بحث تنقیح طلب ہے کہ آیا ابو اسحاق عارضۂ اختلاط میں مبتلا ہوئے یا نہیں؟ تو اس کی ہم یہاں حسبِ ضرورت وضاحت کئے دیتے ہیں۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"احد الاعلام الاثبات قبل اختلاطه ولم ارى البخاری من الروایة عنه الاعن القدماء من اصحابه" (هدی الساری ج ٢، ص ١٩٩)

اسی طرح "فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین" میں فرماتے ہیں:

"عمرو بن عبد الله ابو اسحاق السبیعی مذکور فیمن اختلط" (ایضًا ص ٢٣٦)

ان کے علاوہ حافظ عراقی نے الفیۃ الحدیث اور اس کی شرح فتح المغیث، اسی طرح تقیید

والایضاح میں حافظ ابن الصلاح نے اپنے "مقدمۃ" میں، علامہ نووی نے "مقدمہ مسلم" اور "تقریب" میں علامہ سیوطی نے اس کی شرح میں ابو اسحاق کے اختلاط کی صراحت کی ہے۔ علامہ برہان الدین الحلبی نے "الاغتباط بمعرفۃ من رمی بالاختلاط" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں مختلط راویوں کے استیعاب کی کوشش کی ہے۔ اس میں بھی انہوں نے ابو اسحاق کو ذکر کیا ہے۔ علامہ سندھی کا کلام ابھی ہم نقل کر آئے ہیں کہ ابو اسحاق مدلس و مختلط ہے۔

حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:

"عمرو بن عبد اللہ الھمدانی ابو اسحاق السبیعی . . . ثقۃ عابد من الثالثۃ اختلط بآخرہ" (تقریب ص ۳۹۳)

ائمہ فن کی یہ تصریحات اس بات کی دلیل ہیں کہ ابو اسحاق مختلط ہے۔ بلاشبہ علامہ ذہبی نے اختلاط کی نفی کی ہے جیسا کہ میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ ابو اسحاق نقص حفظ اور تغیر سے ہمیشہ محفوظ رہیں۔ بلکہ حافظ ذہبی ہی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر عمر میں تغیر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ اپنے رسالہ "من تکلم فیہ وھو موثق" میں فرماتے ہیں:

"ابو اسحاق السبیعی عمرو بن عبد اللہ ثقۃ تغیر قبل موتہ من الکبر وساء حفظہ"

اسی طرح "تذکرۃ الحفاظ" کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے جس کے الفاظ ہیں:

"انما یعنی بذلک تغیر ونقص الحفظ"

کہ ان کے حفظ میں نقص اور تغیر مراد لیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ جمہور محدثین اور ائمہ فن کے برعکس علامہ ذہبی چونکہ اختلاط و تغیر کے مابین فرق کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اگر انہوں نے اختلاط کی نفی کی ہے تو یہ نزاع لفظی ہے، حقیقی نہیں جبکہ خود ان کے نزدیک بھی تغیر کا وہی حکم ہے جو اختلاط کا ہے۔

اختلاط و تغیر اور لہ اوہام میں فرق:

مولانا صفدر صاحب چونکہ علامہ ذہبی کی اس تفریق و تقسیم سے واقف نہیں۔ غالباً اسی بنا پر "تذکرۃ الحفاظ" کے الفاظ کو "وہم یسیر" پر محمول کرتے ہوئے بات کو الجھانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اصولِ حدیث کے طالب علم پر یہ بات قطعی مخفی نہیں کہ یہ تقسیم جہاں نئی ہے،

(جبکہ اصولِ حدیث کی متداول سبھی کتب اس سے خالی ہیں) ساتھ ہی وہ اس امر سے بھی واقف ہے کہ یہ ایک خالص فنی اور علمی بحث ہے۔ جس کی تنقیح کے لئے وسیع مطالعہ وکتب بینی کی ضرورت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا صاحب کا یہ "شاہکار" ان کے وسیع مطالعہ ہی کا نتیجہ ہے اور انہیں بھی اعتراف بلکہ فخر ہے کہ "مؤلف احسن الکلام کو اصول وضوابط کے سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے اہلیت مرحمت فرمائی ہے" (ص ۳۱) لیکن حقیقت یہ ہے کہ متعدد اصولی مباحث کو سمجھنے سمجھانے میں ان سے سہو ہوا۔ جس سے ہمارا اندازہ ہے کہ یا تو وہ اس میدان کے شاہسوار نہیں یا پھر دیدہ دانستہ غلط مبحث سے کام لیتے ہیں۔

اصولِ حدیث اور جرح وتعدیل کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، وہ یہ ہے کہ عموماً محدثین اختلاط وتغیر کے مابین فرق نہیں کرتے اور حکماً بھی دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے "الکفایہ" ص ۱۳۵ میں ایک باب یوں ذکر کیا ہے:

"باب ما جاء فی ترک السماع ممن اختلط وتغیر"

جس کے تحت انہوں نے اختلاط وتغیر کے متعلق یہ حکم لگایا ہے کہ اگر راوی نے مختلط سے قبل از اختلاط وتغیر سماع کیا ہے تو اس کی روایت مقبول ہوگی ورنہ مردود۔ علامہ برہان الدین الحلبی "الاغتباط" میں بسا اوقات صرف راوی پر "تغیر" کا حکم لگانے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اسی رسالہ اور دیگر کتب جرح وتعدیل میں آپ کو متعدد ایسے راوی ملیں گے جن کے متعلق تغیر واختلاط دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں، مثلاً ملاحظہ ہوں حصین بن عبدالرحمٰن الکوفی، سعید المقبری، ابن ابی عروبہ وغیرہ۔

علامہ ابن الصلاحؒ اپنے مقدمہ کی "النوع الثانی والستون" میں مختلط راویوں کی نشان دہی کرتے ہوئے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن الرائی کے متعلق فرماتے ہیں "تغیر فی آخر عمرہ" لیکن اسی کے متعلق علامہ عراقی فرماتے ہیں:

"لم ار لاحد تغیرہ ولا اعلم احدا تکلم علیہ باختلاط" (تدریب الراوی ص ۵۲۵، الاغتباط ص ۵ من نسختی)

علامہ ابن الصلاح کا اس بحث میں "تغیر" کے لفظ پر اکتفاء کرنا اور پھر علامہ عراقی کا اسے اختلاط کے مفہوم میں ادا کرنا اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ ہم معنی وہم مرتبہ

ہیں۔یہی انداز خطیب بغدادی، علامہ الحلبی اور متقدمین ائمہ ناقدین کا ہے جیسا کہ ہم اشارہ کر آئے ہیں۔لیکن علامہ ذہبی اختلاط و تغیر میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ ابو اسحاق کے متعلق ان کی رائے سے معلوم ہوتا ہے۔

عبدالملک بن عمیر کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"قال یحیی بن معین ہو مختلط قلت ما اختلط الرجل ولکنہ تغیر تغیر الکبیر"

(تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲۸، ج ۱)

کہ ابن معین نے کہا ہے کہ وہ مختلط ہے لیکن انہیں اختلاط نہیں ہوا بلکہ بڑھاپے کی بنا پر تغیر آگیا تھا۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ذہبی اختلاط و تغیر میں فرق کرتے ہیں اور گویا تغیر کو اختلاط کے لئے بمنزلہ سبب و مبادی قرار دیتے ہیں۔چنانچہ ابن وجیہ کے ترجمہ میں اس کی دارالحدیث سے معزولی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قیل انما عزلہ لانہ حصل لہ تغیر و مبادئ اختلاط" (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۸۷)

علامہ ذہبی کی اس عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تغیر و اختلاط میں فرق کرتے ہیں۔لیکن کیا وہ ان میں حکماً فرق کے بھی قائل ہیں؟ تو صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلہ میں ان کی رائے دیگر محدثین کے ساتھ ہے۔جس کی وضاحت ان کے اس انداز سے ہوتی ہے جو انہوں نے عبدالوہاب بن عبدالمجید کے متعلق اختیار کیا ہے۔چنانچہ امام ابوداؤد اور امام عقیلی وغیرہ نے اس کی طرف اختلاط و تغیر کی نسبت کی ہے، جس کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

"قلت ما ضر تغیرہ حدیثہ فانہ ما حدث بحدیث فی زمن التغیر"

(میزان ص ۲۸۱، ج ۲)

یعنی زمانہ تغیر میں انہوں نے حدیث بیان نہیں کی (جیسا کہ امام العقیلی سے انہوں نے بالاسناد ذکر کیا ہے) لہٰذا یہ تغیر ان کی احادیث پر اثر انداز نہیں ہو سکتا"

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ ذہبی ان دونوں الفاظ میں فرق کرتے کے باوجود حکماً ان میں فرق کے قائل نہیں ورنہ اس دفاع کا فائدہ؟

اس مختصر تفصیل کے بعد "تغیر" اور "اوہام" میں فرق آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے۔ جب کہ وہم و غلط میں یہ حکم ہوتا ہے کہ اس کی وہی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ جب اس میں اس کی خطا معلوم ہو۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"لایخرج الرجل بذالک عن العدالة لان لیس یمعصوم من الخطاء والوھم الا اذا بین لہ خطاءہ" (ج ۱، ص ۸)

مثلاً حدیث عائشہ "اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا معہ فقصر واتممت" بطریق العلاء بن زھیر عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن عائشۃ" منقول ہے۔ العلاء کے تلامذہ میں القاسم بن الحکم اور ابو نعیم نے یہ روایت اسی طریق سے نقل کی ہے۔ لیکن محمد بن یوسف نے عبدالرحمٰنؒ اور عائشہؓ کے مابین ایک تو عن ابیہ کا واسطہ زائد کر دیا ہے۔ دوسری روایت میں "عمرۃ رمضان" کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ محمد بن یوسف گو ثقہ ہیں لیکن وہ وہم و خطا میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ چنانچہ امام العجلی فرماتے ہیں:

"ثقة وقد اخطأ فی مائة وخمسین حدیثاً" (میزان ج ۴، ص ۷۲، ھدی الساری ج ۲، ص ۲۱۱)

امام بیہقی نے تو امام ابو بکر النیسابوری سے بالتصریح نقل کیا ہے:

"من قال عن ابیہ فی ھذا الحدیث فقد اخطاء" (السنن الکبریٰ ج ۳، ص ۱۴۲)

لہٰذا جیسے عن ابیہ کا واسطہ ذکر کرنے میں محمد بن یوسف سے غلطی سرزد ہوئی، اسی طرح "عمرۃ رمضان" کے الفاظ ذکر کرنے میں بھی وہ منفرد ہیں، لامحالہ اس کا صدور بھی انہی سے ہوا۔ جس کی بناء پر نہ متن پر اعتراض صحیح ہے اور نہ ہی سند پر جیسا کہ بعض اہل علم نے کیا ہے۔

اور اگر سند اور روایت متنقل ہے تو ایسی صورت میں "لہ اوہام یا غلط" ایسے راوی کا تفرد مانع صحت نہیں ہوتا۔ البتہ "کان یخطئ" کے الفاظ ان سے نسبتاً سخت ہیں، "کما لا یخفیٰ علی الماھر"

اور اگر راوی کثیر الغلط والوہم ہو تو اس کی روایت سے استدلال و احتجاج صحیح نہیں۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ثقہ وثبت راوی کے متعلق یہ حکم تو نہیں ہوتا لیکن اپنے اقران

معاصرین سے وہ روایت مختلف نقل کرتا ہے۔ اگر اس میں تطبیق کی گنجائش ہے تو فبہا، ورنہ وہ روایت محل نظر ہوگی۔ مثلاً حدیث "الاضطجاع بعد رکعتی الفجر" کو امام مالک ؒ اپنے اقران (معمر، یونس، عمرو بن الحارث، شعیب بن ابی حمزہ، ابن ابی ذئب اور اوزاعی وغیرہ) کے برعکس "بعد الوتر" کے الفاظ بیان کرتے ہیں۔ بعض نے گو اسے امام مالک کا وہم قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں جبکہ ابن عباس کی روایت سے اس کی تائید ہو جاتی ہے اور تطبیق کی گنجائش بھی ہے اس لئے اصحاب الصحاح نے بھی اسے نقل کیا ہے اور کسی نے اس پر ضعف کا حکم نہیں لگایا۔

ہماری ان گذارشات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تغیر و اختلاط اور لہ اوہام یا غلط میں بڑا فرق ہے۔ لیکن حضرت مولانا صفدر صاحب کی تحقیق انیق یہ ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ تذکرۃ الحفاظ کی عبارت "انما یعنی بذالک التغیر ونقص الحفظ" کو "کچھ تغیر" پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"معمولی وہم، تغیر یسیر اور نسیان کی وجہ سے ثقہ روات کی روایتوں کو ہرگز رد نہیں کیا جاسکتا" (ص ۲۴۹/۲)

اسی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

"وہم سے کون بچ سکا ہے ——— من یعری عن الخطاء والتصحیف الخ ——— بلکہ

ص ۱۳۲، ج ۲ میں سعید بن عامر پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابو عامر فرماتے ہیں، ان کی حدیث میں بعض غلطیاں ہیں، ابن حجر فرماتے ہیں، وہ کبھی وہم کا شکار ہو جاتے تھے لہٰذا اس کا معارضہ اس اثر سے جو بسند صحیح مؤطا میں ہے، ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں، سو یہ معارضہ صحیح نہیں کیونکہ اس اثر کی سند میں حماد بن مسلمہ واقع ہے۔ گو وہ ثقہ ہے، مگر آخر عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا، مؤلف خیر الکلام کا "پس یہ حدیث صحیح ہے" کہنا کوئی وزن نہیں رکھتا . . . . ملخصاً"

مولانا صاحب کی یہ عبارت بھی اسی بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہ تغیر اور اوہام

ہیں کوئی فرق نہیں کرتے۔ حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے جیسا کہ ہم اس کی بقدرِ ضرورت ۔ ۔ وضاحت کر آئے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ علامہ ذہبی بسا اوقات ثقات محدثین پر اختلاط کے الزام کو کم کرنے کے لئے کبھی اسے تغیر پر محمول کرتے ہیں اور کبھی تغیر یسیر پر جیسا کہ ابواسحٰق کے متعلق ان کی رائے سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح احمد بن جعفر القطیعی کے متعلق فرماتے ہیں:

"تغیر قلیلاً . . . قال ابو عمرو اختل فی آخر عمرہ حتی کان لا یعرف شیئاً مما یقرأ علیہ ذکر ھذا ابو الحسن بن الفرات قلت فھذا القول غلو واسراف وقد کان ابوبکر اسند اھل زمانہ" (میزان ج ۱، ص ۸۷، ۸۸)

اندازہ کیجئے، حافظ ابن الصلاح اور ابن الفرات کے قول کو کس انداز سے رد کرتے ہوئے اسے تغیر قلیل" پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن یہ کیوں؟ محض اس لئے کہ وہ" اسند اہل زمانہ" تھے حالانکہ یہ طریق تردید وتحقیق صحیح نہیں۔ اگر انہیں ابن الفرات کے قول سے اختلاف تھا تو ضروری تھا کہ اس کی معقول وجہ بیان کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"انکار الذھبی علی ابن الفرات عجیب فانہ لم ینفرد بذالک" (لسان المیزان ج ۱، ص ۱۴۶)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ذہبی بسا اوقات متقدمین کے حکمِ اختلاط کو راوی کی جلالتِ شان کی بنا پر تغیرِ قلیل پر محمول کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بلا دلیل حکم بلکہ اختلاف صحیح نہیں اور نہ کوئی معقول انسان ایسی بے معنیٰ بات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ حافظ ابن القطان نے ہشام بن عروہ کی طرف اختلاط و تغیر کا انتساب کیا ہے لیکن حافظ ذہبی نے میزان میں اس کی تردید دلائل سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جسے ابن القطان تغیر باور کر رہے ہیں وہ تغیر نہیں ورنہ مالک وشعبہ ایسے ثقات پر بھی یہ حکم عائد کرنے سے کوئی بات مانع نہیں اور تذکرہ (ص ۱۹۳، ج ۴) میں ابن القطان کے تعنت کی صراحت کی ہے۔ غالباً انہی وجوہ کی بنا پر حافظ ابن حجر نے بھی تقریب میں ابن القطان کے قول کو قبول نہیں کیا اور تہذیب میں "لم نرلہ فی ذالک سلفا" کہہ کر حافظ ذہبی کی تائید کی ہے۔ اس سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ حافظ ذہبی کا ایسا

حکم جو بلا دلیل اور محض عظمت شان پر موقوف ہو ، اسے کیونکر صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے - بالخصوص جبکہ متقدمین و متاخرین تمام محدثین اور ائمۂ فن کی رائے ان سے مختلف ہو - بلاشبہ انہیں رجال پر " استقرار تام " حاصل تھا ، لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ ان کی ہر بات صحیح ہے ، ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں - خود حافظ ابن حجر جنہوں نے یہ اعزاز انہیں بخشا ہے ، بیسیوں مقامات پر ان سے اختلاف کرتے ہیں اور اس میں وہ حق بجانب ہوتے ہیں -

" تہذیب " ، بالخصوص لسان المیزان کا مطالعہ کرنے والا طالب علم یقیناً ہماری تائید کرے گا - لہٰذا اگر مولانا صفدر صاحب کے قول کے مطابق علامہ ذہبی نے ابو اسحاق کی طرف صرف تغیر بسیر کی نسبت صحیح قرار دی ہے تو یہ صحیح نہیں جبکہ ائمۂ سلف و خلف کی رائے ان کے خلاف ہے اور پھر علامہ ذہبی کے کلام میں وزن بھی نہیں - ایسی " بے وزن " بات کو سنتا کون ہے ؟

لیکن اگر حضرت مولانا صفدر صاحب اس سے بھی متفق نہیں تو آئیے ذرا اسے بھی دیکھ لیجیئے کہ علامہ ذہبی نے " تذکرہ " میں یہ کلام کس ضمن میں کیا اور مولانا صاحب کس حد تک ان سے متفق ہیں - چنانچہ وہ ابو حاتمؒ اور ابو زرعہؒ کے اس اعتراض کہ " زہیر ثقہ ہے ، لیکن ابو اسحاق سے اس نے بعد از اختلاط روایت لی ہے " کے متصل بعد فرماتے ہیں :

" قلت ما اختلط ابو اسحاق ابداً " الخ

جس کا منطقی نتیجہ ہے کہ زہیر کی ابو اسحٰق سے روایت صحیح اور قبل از اختلاط ہے - بلکہ بقول مولانا صفدر صاحب یوں کہنا چاہیئے کہ جب ابو اسحاق کو اختلاط ہوا نہیں تو زہیر نے جس وقت بھی ان سے روایت لی ہو ، اسے ضعیف و ناقابل اعتبار کیونکر کہا جائیگا ؟

سوال یہ ہے کہ اگر مولانا صفدر صاحب علامہ ذہبی کے اس تعاقب پر مطمئن ہیں ، تو انہیں چاہیئے کہ وہ زہیر کی ابو اسحاق سے روایت کو صحیح قرار دیں - حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس پر آمادہ نہیں ، بلکہ فرماتے ہیں :

" امام بیہقی ، ابو زرعہ ، علامہ ذہبی اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ زہیر کی روایت ابو اسحٰق سے ضعیف اور کمزور ہے " (احسن الکلام ص۱۳۵ ، ج ۲)

ناظرین کرام ، خدارا انصاف فرمائیے ، علامہ ذہبی تذکرہ کے محوّلہ صفحہ میں امام

ابوزرعہ اور امام ابوحاتم کی تردید کرتے ہیں، جسے خود مولانا صاحب نے نقل کیا ہے۔ لیکن مفید مطلب مقام پر اسی "مردود" قول سے اپنے مدعا کی تائید کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ استفسار بھی یقیناً لطف سے خالی نہ ہوگا کہ ان محدثین (ابوزرعہ، ابوحاتم وغیرہ) نے زہیر کی روایت کو کیوں ضعیف قرار دیا؟

اس سربستہ رازگی اگر مولانا صاحب گرہ کشائی فرماتے تو یقیناً مفید ثابت ہوتا ——— فنِ جرح و تعدیل کا طالبِ علم تو اس سے واقف ہی تھا، دوسرے ناظرین کو بھی اس کا علم ہو جاتا۔

ہم یہاں کوئی رائے دینا نہیں چاہتے البتہ اس استفسار میں حق بجانب ہیں کہ حضرت حافظ ذہبی جب ابواسحاق کو مختلط تسلیم نہیں کرتے تو ان کے نزدیک زہیر کی ابواسحاق سے روایت کیوں ضعیف ہے؟ اگر اس کی علت وہی ہے جو ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ذکر کی ہے تو پھر آپ کی تمام عمارت خود بخود گر جاتی ہے۔

جناب محترم! حافظ ذہبی کی ہم نوائی محبوب ہے تو چاہیئے کہ ان کی مکمل حمایت کریں اور کم از کم حافظ ذہبی کو تو اس فہرست میں ذکر نہ کریں، ورنہ اس ادھوری محبت و اتباع پر تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ ؎

افسوس تم کسی بات میں بھی نہ پورے اترے
نہ تمہیں وفائیں آئیں ہائے نہ جفائیں آئیں

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ مولانا صاحب کی خدمت میں بصد آداب گزارش ہے کہ زہیر کی ابواسحاق سے روایت اگر آپ ضعیف تسلیم کرتے ہیں تو پھر صحیح بخاری و مسلم میں بھی بواسطہ زہیر عن ابی اسحاق روایات منقول ہیں جیسا کہ آپ سے مخفی نہیں تو کیا صحیح بخاری و مسلم کی وہ تمام روایات ضعیف و ناقابلِ اعتبار ہیں؟ اس کا جو جواب آپ دیں گے، محدث مبارکپوری کی طرف سے اسرائیل عن ابی اسحاق کی سند پر کلام کا جواب بھی وہی تصور فرمائیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولانا صاحب شیشے کے مکان میں بیٹھ کر سنگ باری کرنے کے عادی ہیں ؎

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

الحاصل :

ابو اسحاق مختلط ہے اور حافظ ذہبی نے اگرچہ اس کی نفی کی ہے لیکن اس کا "تغیر" میں مبتلا ہونا تسلیم کرتے ہیں اور متغیر کی روایت کا بھی وہی حکم ہے جو مختلط کا ہے ۔ مزید یہ کہ انکار سے تغیر کے معنوں میں محمول کرنا بجائے خود محل نظر ہے ۔

رہی یہ بات کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے کس حالت میں سماع کیا ہے تو صحیح یہی ہے کہ اسرائیل نے ان سے قبل از اختلاط سماع کیا ہے ، اور محدث مبارک پوری بھی اسی کے قائل ہیں لیکن اس سلسلہ میں ان کا مذاق اڑانا جیسا کہ مولانا صفدر صاحب نے صفحہ ۱۵۲ پر کیا ہے ، ہم ان کی کسی بات کا جواب دینا نہیں چاہتے ۔ ورنہ ہمارے لئے ان کے فہم و بصیرت کی پختگی کوئی سربستہ راز نہیں ۔ ہمارا موضوع سخن خالص فنی اور علمی مباحث پر موقوف ہے ۔ اس لئے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اگر کسی بحث میں الجھاؤ یا اغلاق ہے تو حتی المقدور اسے سلجھانے کی کوشش کی جائے ۔

مولانا مبارک پوری تو کیا ، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو معصوم نہیں مانتے ۔ تحقیق کی ان پر خطر وادیوں میں کس کا قدم ہے جو ڈگمگانے سے محفوظ رہا ہے ؟ علم و فضل کے حامل بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور اس قسم کی لغزشیں بھی انسانی معلومات کی حدود کا پتہ بتلاتی ہیں ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دیگر اہل علم کی طرح محدث مبارک پوری سے بھی کچھ فرو گذاشتیں ہوئی ہونگی ۔ لیکن جب ان کے کلام میں تطبیق و توفیق کی احسن صورت موجود ہے تو ایسی صورت میں خواہ مخواہ اعتراض ان کے سر پر مڑھنا کہاں کی دیانتداری اور شریفانہ فعل ہے !

بات دراصل یہ ہے کہ اس مبحث میں اسرائیل عن ابی اسحاق کی روایت پر کلام کرتے ہوئے علامہ مبارک پوری کا یہ فرمانا کہ " اسرائیل نے ابو اسحاق سے بعد از اختلاط سماع کیا ہے " یہ یہاں اس لئے صحیح ہے کہ یہ روایت بہ ظاہر صحیح بخاری کی روایت کے مخالف ہے جس میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ نماز ظہر کی تھی اور ابن عباس رض کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نماز جہری تھی جیسا کہ علامہ طحاوی وغیرہ نے صراحت کی ہے جس کی وضاحت انہوں نے تحقیق الکلام ج ۲ ، صفحہ ۱۴ ، ۱۵ میں کی ہے جس کے الفاظ ہیں :

"پس حدیث متفق علیہ کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت مذکورہ ہرگز ہرگز حجت نہیں ہو سکتی "

یعنی مولانا صاحب اس روایت کو بعد از اختلاط اس بنا پر کہہ رہے ہیں کہ یہ روایت صحیح بخاری کے معارض ہے، اور یہ محض ان کا اندازہ و تخمینہ نہیں بلکہ امام احمد فرماتے ہیں کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے بعد از اختلاط سنا ہے ۔ محدث مبارک پوری کا یہ عمل ہماری اس توجیہ کے مطابق صرف اسی بحث پر خاص نہیں بلکہ اس قسم کے خیال کا اظہار انہوں نے تحفۃ الاحوذی ص ۲۸، ۲۹ ج ا میں بھی کیا ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ امام ترمذی اسرائیل عن ابی اسحاق کے واسطہ سے حدیث "التمس لی ثلاث احجار" کو زہیر عن ابی اسحاق کے طریق پر ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"معلوم یوں ہوتا ہے کہ امام بخاری نے زہیر کی روایت کو اسرائیل کی روایت سے ترجیح دی ہے جبکہ انہوں نے اسے اپنی الصحیح میں نقل کیا ہے ۔ لیکن میرے نزدیک اسرائیل کی روایت اصح ہے ۔ جبکہ اسرائیل ابو اسحاق سے روایت کرنے میں اثبت و احفظ ہے ۔ اس کے برعکس زہیر نے ابو اسحاق سے آخر عمر میں سماع کیا ہے ۔"

لیکن محدث مبارک پوری امام ترمذی کی رائے سے متفق نہیں، وہ امام بخاری کی طرح زہیر کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :

فما قال فی الوجہ الاول فھو معارض بما قال الاجری سالت اباداود عن زھیر و اسرائیل فی ابی اسحاق فقال زھیر فوق اسرائیل بکثیر ۔ ۔ ۔ و معارض بما قال الذھبی فی المیزان قال احمد حدیث زکریا و اسرائیل عن ابی اسحاق لین سماعتہ باٰخرہ فظھر انہ لیس لترجیح روایۃ اسرائیل وجہ الصحیح بل الظاھر ان الترجیح لروایۃ زھیر التی رجحھا البخاری و وضعھا فی صحیحہ"

یعنی امام ترمذی کا یہ کہنا کہ اسرائیل کی روایت زہیر کی روایت سے راجح ہے، ان کی یہ رائے امام ابو داؤد کے خلاف ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ زہیر کی روایت اسرائیل سے بدرجہا بہتر ہے ۔ پھر ان کا یہ قول کہ اسرائیل نے قبل از اختلاط سنا

ہے، یہ بھی امام احمد کے قول کے معارض ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس نے ابو اسحاق سے آخر عمر میں سماع کیا ہے۔

ناظرین کرام غور فرمائیے، محدث مبارک پوری نے یہاں اسرائیل کی روایت کو اس لئے ترجیح نہیں دی کہ یہ صحیح بخاری میں نہیں حالانکہ مضمون دونوں کا ایک ہے۔

بعینہٖ تحقیق الکلام میں اگر انہوں نے اسرائیل کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب یہ روایت صحیحین کی حدیث کے معارض ہے اور ائمہ ناقدین سے منقول ہے کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے بعد از اختلاط یا تغیر سماع کیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان دو وجوہ کی بنا پر اسے ضعیف قرار نہ دیا جائے؟ لیکن افسوس، مولانا صاحب اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور جلد بازی میں ان کے علم کا جائزہ لینے بیٹھ گئے۔

سابقہ صفحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابو اسحاق مدلس ہے اور ان کا عنعنہ صحتِ حدیث کے منافی ہے، آخر عمر میں اختلاط و تغیر کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور اسرائیل نے اگرچہ ان سے قبل از اختلاط سماع کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت صحیح بخاری کے معارض ہے، مزید یہ کہ اسرائیل نے ابو اسحاق سے بعد از اختلاط بھی سنا ہے، اسی لئے محدث مبارک پوری نے اسے ضعیف اور ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔

اصولِ حدیث کا طالبِ علم جب بھی دیانتدارانہ نظر سے ان وجوہ و علل کو دیکھے گا تو وہ یقیناً ان کی تائید کریگا۔ جبکہ ان میں ہر ایک سبب اثبات ضعف کے لئے کافی ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اسرائیل کی متابعت میں زکریا بن ابی زائدہ کو پیش کرنا جیسا کہ مولانا صفدر صاحب نے کیا ہے، اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے کے مترادف ہے۔ جبکہ زکریا نے بھی بعد از اختلاط سماع کیا ہے (میزان الاعتدال) مزید یہ کہ ابھی باقی علل بدستور موجود ہیں۔ البتہ اگر ابو اسحاق کا متابع مل جائے تو بات قدرے معقول ہے۔ لیکن اس کا وجود عنقا ہے ودونہٗ خرط القتاد!

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا شاہد!

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں مولانا صفدر صاحب ابو اسحاق کا متابع ثابت نہیں کر سکے البتہ اس کا ایک شاہد (ص ۲۵۲، ۲۵۳، ج ۱) ذکر کیا ہے۔ جس کی حقیقت بھی لگے ہاتھوں سن لیجئے۔ اس شاہد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر ضعیف ہے۔ جس کے متعلق خود مولانا صاحب کو اعتراف

ہے کہ" جمہور کے نزدیک وہ ضعیف ہے "

امام نسائی فرماتے ہیں :

"لیس بثقۃ متروك الحدیث " قال ابن عدی لایتابع فی حدیثہ وھو فی جملۃ من یکتب حدیثہ "

امام احمد اور امام بخاری فرماتے ہیں ، منکر الحدیث ، ابن معین ، ابن خراش اور بزار فرماتے ہیں ، ضعیف ہے - ابن سعد فرماتے ہیں ، اس کی احادیث ضعیف ہیں - ابو حاتم کہتے ہیں ، وہ قوی نہیں - (تہذیب ص ۱۴۶ ، ج ۶)

آگے بڑھنے سے پہلے ہم ناظرین کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں بھی مولانا صفدر صاحب نے روایتی دجل و فریب سے کام لیا ہے ، چنانچہ فرماتے ہیں :

" ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں - امام ساجی ان کو صدوق کہتے ہیں ، ابن حبان ان کی توثیق کی طرف مائل ہیں (بحوالہ تہذیب)

حالانکہ ابن عدی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی روایات کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ ابھی ہم نقل کر آئے ہیں - نامعلوم یہ الفاظ مولانا صاحب کیوں کھا گئے ہیں ؟ اسی طرح امام ساجی اور ابن حبان کا کلام نقل کرنے میں بھی انہوں نے دیانت کا خون کیا ہے ، اصل الفاظ ملاحظہ ہوں :

" قال الساجی صدوق فیہ یحتمل وقال ابن حبان ینفرد عن الثقات مالایشبہ حدیث الاثبات "

اسے جانے دیجئے لیکن کیا یہ روایت " شاہد " کے قابل ہے ؟ جب کہ متروک منکر الحدیث ایسی سخت جرح موجود ہے اور کوئی معتبر توثیق بھی ثابت نہیں - اس سلسلہ میں ہم فتح المغیث ، الرفع والتکمیل ، توضیح الافکار اور منہج الوصول سے کچھ نقل کرنے کے بجائے مولانا صاحب کو ان ہی کے فرمودات یاد دلا دینا کافی سمجھتے ہیں - چنانچہ موصوف ص ۸۵ ج ۲ میں فرماتے ہیں :

" امام بخاری کا منکر الحدیث کہنا تو اپنی جگہ مستقل شدید جرح ہے "

اور ص ۱۲۶ ، ج ۲ میں فرماتے ہیں :

" منکر الحدیث ایسی شدید جرح ہے کہ بطور اعتبار و شاہد بھی ایسے راوی کی روایت پیش نہیں کی جاسکتی "

مزید اسی صفحہ پر "تقریب نووی" سے نقل فرماتے ہیں :

"جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور اس کی حدیث لکھی بھی نہیں جاتی اور اس کی شرح میں لکھا ہے کہ :

" نہ تو اس کو اعتبار و متابعت میں پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ شاہد میں !"

ناظرین ! ملاحظہ فرمائیے ، کیا عبدالرحمٰن مذکور کو امام بخاری نے منکر الحدیث نہیں کہا ؟ اور کیا امام نسائی نے اسے متروک الحدیث نہیں کہا ؛ اور کیا ان کے الفاظ "لیس بثقہ" متروک سے کم ہیں ؟ اختلاف سے قبل تہذیب ص ۱۱۳، ۲۱۲ ج ۱ ، التنکیل ص ۲۰۵، ج ۱ اور المنہج ملاحظہ فرما لیں ، یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی ان شاء اللہ !

اب انصاف شرط ہے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب کی " اس سے بڑھ کر اور کیا تسلی کر سکتے ہیں"، کہ انہی کے مسلمہ اصول کے مطابق اسے متابعت و شواہد میں پیش کرنا سراسر نادانی اور سینہ زوری ہے یا پھر مولانا صاحب تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں ۔

الغرض ابو اسحاق کے سلسلہ میں ضمناً ہم نے مولانا صفدر صاحب کی دسویں حدیث کی حیثیت بھی فنی نکتۂ نظر سے بیان کر دی ہے ۔